جلد01شمارہ 2024، 17

Article

The Study of Structural Linguistic Model in Urdu Criticism

اردو تنقید میں ساختیاتی لسانی ماڈل کا مطالعہ

Arshad Mahmood Haadi,[*1] **Dr. Naeem Mazhar,**[2]

[1] Lecturer, Dept. of Urdu, National University of Modern Languages, Islamabad

[2] Associate Professor, Dept. Of Urdu, National University of Modern Languages, Islamabad

*Correspondence: Arshad.mahmood@numl.edu.pk

ارشد محمود ہادیؔ،[1] **ڈاکٹر نعیم مظہر**[2]

[1] لیکچرر، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، [2] ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

Abstract: This article covers the study of structural linguistic models. Part of which presents its nature and usefulness in Urdu criticism. Ferdinand de Saussure's linguistic model was initially analyzed for this study, and its dimensions were studied separately. It also examines the relationship between the structural linguistic model and Urdu criticism. Its purpose is to clarify the ways in which text is interpreted through structural linguistic models in Urdu criticism. This method of analyzing text extends from structuralism to post-structuralism. Through this study, all aspects of the structural linguistic model that are useful in literary criticism have been highlighted. Linguistic tools such as Langue, Parole, Linguistic Sign, Signifier, and Signified play an important role in interpreting text.

Keywords: Criticism, Linguistic Model, Hermeneutics, Structuralism, Post-Structuralism, postmodernism.

eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813
Received:09-04-2024
Accepted:18-06-2024
Online:27-06-2024

Copyright: © 2023 by the authors. This is an access-open article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

اردو تنقید میں ساختیاتی لسانیات نے جس طرح انقلاب برپا کیا وہ کسی اور نظریے یا تھیوری میں نظر نہیں آتا۔ ادبی متون کی تعبیر و توضیح کے دوران متنوع لسانی سر گرمیوں کی نشاندہی، معاصر تنقید کا لازمی جزو بن چکی ہیں۔ جس طرح ساختیاتی لسانیات زبان کی گہرائی یا زیریں سطح پر لسانی ساختوں کو نشان زد کرتی یا دریافت کرتی ہے اِسی کی بدولت معاصر تنقید، ادبی متون میں معنیاتی ساخت کو دریافت کرتی ہے۔ اس سے کسی بھی متن یا کسی بھی مظہر کی تہ نشیں ساخت کو نمایاں کرنے یا دریافت کرنے کا رواج عام ہونے لگا۔ جس سے نشانیات (Semiology) کا آغاز ہوتا ہے۔ عام لسانیات، جس میں زبان کی ابتدا، تاریخ و ارتقا، اس کی ظاہری ساخت سے لے کر دیگر زبانوں کے ساتھ تعلق اور اس کے اصول و قواعد کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ زبان کا یہ مطالعہ ابتدائی طور پر تاریخی تھا جس میں زبان کی تاریخ اور اس کی ابتدا سے متعلق نظریات کا مطالعہ ملتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ زبان کے مطالعہ میں وسعت آتی گئی اور زبان کو سمجھنے کے لئے مختلف زاویہ نظر سامنے آنے لگے۔ جس سے لسانیات کے علم کو ترقی ملی۔ زبان کو سمجھنے کی انہی کوششوں کے نتیجے میں جدید لسانیات نے ابتدائی تمام تصورات کی بنیادیں ہلا دیں۔ جس سے زبان، انسان اور کائنات کے پہلے سے طے شدہ فلسفیانہ تصورات کو چیلنج کیا جانے لگا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ان تصورات کو چیلنج کرنے والا علم خود لسانیات ہے جس میں فلسفۂ لسان یعنی ساختیات کے لسانی ماڈل کے ذریعے زبان کو سمجھنے میں نہ صرف مدد ملتی ہے بلکہ اس کی کلیت تک رسائی ممکن ہوتی ہے۔ ساختیات کے لسانی ماڈل کو سمجھنے سے پہلے ان ابتدائی نظریات کا اِجمال ضروری ہے جن کی وجہ سے ساختیات بطور فلسفۂ لسان سامنے آیا۔

زبان کا تجزیہ وقت کے ساتھ ساتھ گہرائی اور وسعت اختیار کرتا گیا۔ زبانوں کے آپسی تعلق اور زبانوں کی لفظی و معنوی تبدیلیوں پر غور کیا جانے لگا۔ لفظوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کے اجزا کے اصل ماٰخذ تک پہنچنے کی کوشش کی گئی۔ ابتدا میں لفظ کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ یہ فقط کسی چیز کا نشان یا نام ہے جو کہ فطری ہے۔ یعنی لفظ اور معنی میں کوئی امتیاز نہیں تھا جو چیز جیسی پکاری جائے گی یا جو لفظ کسی شے سے منسوب کیا جائے گا وہ فطری طور پر ویسی ہی ہو گی اس میں کوئی پیچیدگی والی بات نہیں۔ دوسرے لفظوں میں درج ذیل فارمولے کے تحت زبان کو سمجھا جاتا تھا:

لفظ = شے یا Word = Thing

اس نظریے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ Nomenclature یعنی اشیاء کو نام دینے والا نظام کیسے وجود میں آیا۔ یا ہم کسی شے کو کیونکر نام دیتے ہیں؟ یہاں افلاطون انسانی وجود سے بحث کرتا ہے۔ وہ ان چیزوں کی علت تلاش کرتا ہے۔ یعنی وہ سوچتا ہے کہ ایک انسان کا وجود کیسے ممکن ہوا؟ اسے کس نے بنایا؟ وہ ان سوالات کو سوچتا رہا۔ کھوج کرتا رہا۔ اس دوران اسے

محسوس ہوا کہ یہ چیزیں جس میں انسان بھی شامل ہے پہلی بار تبھی بن سکتی ہیں جب پہلے سے ہی ان کے بلیو پرنٹ موجود ہوں۔ یعنی پہلے سے کہیں فکسڈ تصور موجود تھے جن کی نقل کی گئی اور چیزیں بنائی گئیں۔ یہاں افلاطون کا نظریہ عالمِ مثال واضح ہوتا ہے جس کے مطابق پوری کائنات میں تمام چیزوں کے تصورات کہیں نہ کہیں موجود ہیں ایک ایسا عالم ہے جہاں ان کے بلیو پرنٹ پڑے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ان چیزوں کی کوئی پلیٹیں پڑی ہوئی ہیں جن کے تحت عالم ڈھلتا رہتا ہے لیکن وہ پلیٹیں فکس رہتی ہیں۔ اس کی مثال وہ یوں دیتا ہے کہ ہم غار میں بیٹھے ہیں پیچھے آگ جل رہی ہے اور اس سے سامنے دیوار پر کچھ سائے بنتے ہیں ہم سایوں کو وہاں گزرتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ وہ سائے تو ہمیں معلوم ہیں لیکن یہ نہیں معلوم کہ ان کی اصل کیا ہے۔ یعنی یہ پورا عالم محض سایہ ہے کسی اوریجنل چیز کا۔ اسی بحث سے زبان اور شے (دنیا) کے مابین تعلق یا رشتے کی بحث بھی افلاطون کے ہاں Cratylas میں پڑھنے کو ملتی ہے۔ اس کے نزدیک اشیا کا علم زبان کے اندر موجود ہوتا ہے۔ یعنی زبان اشیا کو پیش کرتی ہے، اشیا زبان کو نہیں۔ جبکہ ساختیات کے مطابق زبان اشیا کے بجائے ان کے تصورات کو پیش کرتی ہے جن کی نوعیت من مانی اور ثقافتی ہوتی ہے۔

ارسطو کے مطابق کوئی بھی چیز عالمِ مثال کی نقل نہیں ہے یعنی کسی بھی چیز کی شکل و صورت یا فارم جس کے تحت وہ تعمیر ہوئی عالمِ مثال میں نہیں پڑی بلکہ ہر چیز کی شکل و صورت یا فارم اس کے اپنے اندر پہلے سے موجود ہوتی ہے۔ اور وہ اس کے اندر پوٹینشلی موجود ہے۔ جو کہ بدل نہیں سکتی۔ مثلاً بیج کے اندر درخت کی صورت موجود ہوتی ہے جس کی وجہ سے درخت بنتا ہے۔

سوسئیر نے جو ماڈل پیش کیا جسے زبان کا تجریدی نظام اور مزید واضح طور پر نشانات کا نظام کہتے ہیں۔ اس کے نزدیک عالمِ مثال کہیں اور نہیں موجود بلکہ ہمارے ذہنوں میں موجود ہے جس سے ہم چیزوں کو نام دیتے ہیں۔ (ذہن، جو ثقافتی راستوں پر مشتمل ہے)۔ یعنی ہم کسی بھی شے کا علم زبان کے ذریعے سے نہیں بلکہ زبان کے راستے سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس راستے میں ثقافتیں ہی ثقافتیں ہیں، ہر ثقافت دوسری ثقافت سے فرق کی بنیاد پر شناخت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے زبان، نشانات کا ایک نظام ہے، جس میں فرق ہی فرق ہے۔ سوسئیر کے اسی ماڈل نے ساختیات کی بنیاد رکھی۔

جیسا کے ابتدا میں کہا گیا ہے کہ ابتدا میں زبان کا مطالعہ تاریخی نوعیت سے آگے نہ بڑھ سکا۔ زبان کو سمجھنے کے لئے تاریخی لسانیات کا دور کئی عشروں پر مشتمل ہے۔ تاریخی لسانیات کے ردِ عمل میں جب زبان کو گہرائی میں جا کر سمجھا جانے لگا جس کی نوعیت تاریخی کی بجائے سائنسی تھی تو ساختیاتی لسانیات کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ ساختیاتی لسانیات دراصل زبان کی ساخت معلوم کرنے یا مرتب کرنے کا ایک طریق کار ہے۔ دوسرے لفظوں میں ساختیات زبان کی تہ نشیں ساخت کی شناخت کرتی ہے۔ جس کے ذریعے زبان کو گہرائی تک سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ بقول گوپی چند نارنگ:

> "ساختیات ایک ایسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے وجود میں آئی کہ تمام انسانی فلسفوں میں ارتباط پیدا کر سکے۔۔۔ ساختیات فقط ایک فلسفیانہ اصول اور طریقۂ کار ہے۔ بطور طریقۂ کار ساختیات کی فکری نہج ایسی ہے کہ ایک نظام کے تحت لا کر تمام سائنسوں میں ربطِ باہمی پیدا کیا جائے"۔ (۱)

گوپی چند نارنگ کی اس تعریف سے اندازہ ہوتا ہے کہ زبان کی اپنی ایک ساخت ہے جو مختلف رشتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ زبان کی ساخت مختلف اجزا کا مجموعہ ہے اور یہ اجزا آپس میں ربط و تعلق رکھتے ہیں۔ ان اجزا کو سمجھے بغیر زبان کی ساخت کا اندازہ کرنا ممکن نہیں۔ ساختیاتی مطالعہ یا ساختیات دراصل اس ساخت کی دریافت کرتی ہے اور نہ صرف دریافت کرتی ہے بلکہ اس ساخت کے اجزا کے باہمی رشتوں کا تجزیہ بھی کرتی ہے۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر اسی حوالے سے واضح موقف اختیار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ساختیات کسی ثقافتی مظہر کے کلی نظام (ساخت) کو دریافت کرنے کا طریق کار ہے"۔ (۲) ڈاکٹر ناصر عباس نیر کے اس موقف کی تشریح کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ زبان دراصل ایک ثقافتی مظہر ہے۔ جو نہ صرف معنی تک محدود ہے بلکہ اس کے پیچھے ایک نظام موجود ہے جس کے تحت معنیاتی نظام قائم ہوتا ہے۔ یہ معنیاتی نظام اپنی ایک مخصوص ساخت پر مشتمل ہوتا ہے جو ہمیشہ پس منظر میں موجود ہوتا ہے۔ اس ساخت کی دریافت کے لئے ساختیات کو بطور طریق کار عمل میں لایا جاتا ہے۔

سوسیئر کا لسانی ماڈل ساختیات کی بنیاد ہے۔ ساختیات کے تمام بنیادی اصول سوسیئر کے پیش کردہ لسانی ماڈل سے ماخوذ ہیں۔ سوسیئر سے پہلے تک زبان کے بارے میں یہ نظریہ عام تھا کہ زبان فقط لفظوں کا مجموعہ ہے جن کے معانی الگ الگ اور فکسڈ ہیں۔ سوسیئر نے اپنے لسانی ماڈل کے ذریعے صدیوں پرانے اس تصور کو بنیاد سے اکھاڑ دیا۔ درحقیقت سوسیئر کی اسی بصیرت نے زبان کے بارے میں سوچنے کے زاویے بدل دیے۔ سوسیئر نے اس تصور کو رد کر دیا کہ زبان فقط اشیاء کو نام دینے کا نظام ہے۔ سوسیئر نے زبان کے محض تاریخی مطالعہ (Diachronic) کی بجائے حاضر وقت (Synchronic) یعنی یک زمانی مطالعے کو ترجیح دی۔ دراصل وہ زبان کا سائنسی بنیادوں پر تجزیہ کرنا چاہتا تھا۔ اس کے مطابق حاضر وقت کا مطالعہ ہی سائنسی مطالعہ ہو سکتا ہے۔ اس طرح اس نے زبان کا سائنسی مطالعہ حاضر وقت میں کیا اور لسانیات کو زبان کی سائنس کا درجہ عطا کر دیا۔ سوسیئر کے سائنسی مطالعہ نے زبان اور لسانیات کو وسعت ہی نہیں دی بلکہ زبان اور لسانیات کو بقیہ علوم کی بنیاد گزار بنا دیا۔ سوسیئر کے لسانی مطالعہ کے حوالے سے گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:۔

> "سوسیئر کا زبان کے یک زمانی مطالعے پر زور دینا نہایت اہم ثابت ہوا، کیونکہ اس نے زبان کی تاریخی جہت کے علاوہ زبان کے حاضر ساختی نظام کے اعتراف کی راہ کھول دی"۔ (۳)

سوسیئر نے اسی یک زمانی مطالعے کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے زبان کی کارکردگی کا جائزہ لیا۔ اس کے لئے اس نے زبان کے دو طرح سے تصورات پیش کیے۔ یعنی اس نے زبان کو دو تصورات Langue لانگ اور Parole پارول میں تقسیم کر دیا۔ اور یہ بتایا کہ ان دونوں میں ایک جدلیاتی رشتہ موجود ہے جس کی وجہ سے زبان قابلِ عمل ہوتی ہے۔ سوسیئر کی اس بحث کو سمجھنے کے لیے لانگ اور پارول کو سمجھنا ضروری ہے۔ سوسیئر کے ماڈل کا آغاز بھی انہی دو اصطلاحات سے ہوتا ہے۔

(Langue) لانگ/لسان:

لانگ دراصل زبان کا وہ جامع نظام ہے جس کے تحت کوئی بھی زبان عمل میں آتی ہے یا جس کے تحت زبان کا ابلاغ ہوتا ہے۔ زبان کا یہ نظام دراصل اصول و قواعد پر مشتمل ہے۔ یہ اصول و قواعد زبان کو فعال بناتے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو لانگ زبان کا وہ نظام ہے جس کے اندر رہتے ہوئے روزمرہ کی گفتگو کی جاتی ہے۔ یہ گفتگو لانگ سے باہر رہ کر ممکن نہیں۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ ہر لفظ یا جملہ یا کلمہ لانگ کے تحت اپنی کارکردگی ظاہر کر سکتا ہے اس کے باہر رہ کر اس کا ابلاغ ممکن نہیں۔ یوں لانگ دراصل زبان کے ابلاغی سسٹم کی بنیاد ہے۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر لانگ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

> "لسان زبان کا وہ تہ نشین نظام ہے جس کی وجہ سے اور جس کے تحت ہر قسم کا زبانی و تحریری کلام ممکن ہوتا ہے۔ لسان یا لانگ کو جامع تجریدی نظام بھی کہا گیا ہے کہ یہ مخفی یا پس منظر میں رہ کر ہر قسم کے تکلم اور اظہار کو ممکن بناتا اور اسے کنڑول کرتا ہے۔ لسان/لانگ کا مفہوم بڑی حد تک وہی ہے جو گرامر کا ہے، یعنی زبان کے قواعد وضوابط کا نظام"۔ (۴)

ڈاکٹر ناصر عباس نیر کی لسان کے حوالے سے یہ بات سوسیئر سے ہی اخذ شدہ ہے جسے انہوں نے اپنے الفاظ میں کافی حد تک بہتر انداز میں بتانے اور سمجھانے کی سعی کی ہے۔ لانگ یا لسان دراصل لسانی قواعد کا ایک جامع نظام ہے جس سے سماج میں ابلاغ کا کام لیا جاتا ہے۔ اس کے بغیر نہ تو ابلاغ ممکن ہے نہ ہی کوئی لفظ یا کلمہ اپنا وجود رکھتا ہے۔ گویا اس لحاظ سے روزمرہ کی بول چال یا گفت و شنید کسی لانگ کے اندر رہ کر ممکن ہو سکتی ہے اس سے باہر رہ کر ممکن نہیں۔ لانگ دراصل جامع سماج اور ثقافتی تناظر پر مشتمل ہے جن کے بغیر لانگ کا اپنا کوئی وجود نہیں۔ لانگ بذاتِ خود اس ثقافتی تناظر کا محتاج ہے۔ یہ ثقافتی تناظر لانگ کی وسعت میں مسلسل تبدیلی کا باعث بنتا ہے۔ جیسے جیسے تناظر بدلتا ہے لانگ کا کردار بدلتا جاتا ہے۔ اور جیسے جیسے لانگ بدلتی ہے اس کے تحت سماجی رویے، بول چال، رجحان، حتی کہ مزاج تک بدلتے جاتے ہیں۔ لیکن یہ عمل اتنا جلدی نہیں ہوتا اس کے لئے بیسیوں سال

درکار ہیں۔ اس سارے عمل کے دوران لانگ میں جو چیز شامل یا جذب ہوتی جاتی ہے وہ لانگ کا حصہ بن جاتی ہے۔ بہر حال مختصراً یہ کہ لانگ اس جامع نظام کا نام ہے جس کی مدد سے ابلاغ ممکن ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت سوسیئر کے خیالات سے زیادہ آسانی سے سمجھ آسکتی ہے جسے گوپی چند نارنگ نے اپنے الفاظ میں مزید آسانی سے پیش کیا۔ وہ لکھتے ہیں:

> "Langue سے کم و بیش وہ تصور مراد ہے جس کو عرفِ عام میں لسان کہتے ہیں، لسانی قواعد و ضوابط و روایات کا وہ جامع ذہنی تصور جس کی رو سے ہم کسی لسانی سماج میں ترسیل و ابلاغ کا کام لیتے ہیں"۔ (۵)

درج بالا گوپی چند کی اس بات سے کافی حد تک لانگ کے بارے میں جان کاری حاصل ہو سکتی ہے۔ سوسیئر نے زبان کے اس تصور جس میں ایک لانگ کا تصور ہے اس کے ساتھ دوسرا تصور پارول Parole کا بھی ہے جس کے بغیر لانگ کا اپنا وجود ممکن نہیں۔ آیئے اس کی وضاحت ایک ذیلی عنوان کے تحت کرتے ہیں۔

Parole پارول/کلام:

روزمرہ کی وہ گفت گو جو لانگ کے تحت کی جاتی ہے یا وہ کلام جو قواعد کے جامع نظام میں رہ کر تکلم بنتا ہے پارول کہلاتا ہے۔ پارول دراصل لانگ کا ہی حصہ ہے جو تکلم کے لیے استعمال ہوتا ہے اور قواعد کا پابند ہوتا ہے۔ سوسیئر نے اس کے لیے شطرنج کی مثال دی ہے کہ شطرنج ایک کھیل ہے جسے لانگ کا درجہ دیا جا سکتا ہے جب کہ اس کھیل میں چلی جانے والی چال پارول کہلاتی ہے۔ اس لحاظ سے سوسیئر لانگ اور پارول میں فرق بھی قائم کرتے ہیں کہ لانگ ایک کلی نظام ہے جب کہ پارول اس کلی نظام کے تحت ہے اور اس کا ایک حصہ ہے جو اپنی لانگ کا محتاج ہے۔ لانگ اور پارول کے بنیادی فرق کو اس مثال سے بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک گاڑیاں بنانے والی فیکٹری لانگ کی جگہ لے سکتی ہے جب کہ اس فیکٹری میں بننے والی گاڑیاں پارول ہیں۔ اسی طرح سماج ایک لانگ ہے اور سماج میں رہنے والے افراد پارول ہیں۔ لانگ اور پارول کے فرق کے حوالے سے ڈاکٹر ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

> "لسان اگر زبان کا تجریدی/غیر مادی رخ ہے تو کلام اس کا تجسیمی/مادی پہلو ہے۔ لسان اجتماعی ہے تو کلام انفرادی ہے۔ لسان کو بلا ارادہ حاصل کیا جاتا (مادری زبان کی حد تک) اور کلام ایک ارادی فعل ہے۔ لسان زبان کا لاشعور ہے تو کلام شعور ہے، اور جس طرح لاشعور تک براہِ راست رسائی ممکن نہیں ہو سکتی، اس تک رسائی کا ذریعہ شعور ہی ہے، اسی طرح لسان تک پہنچنے کے لیے کلام کا تجزیہ کیا جاتا ہے، یعنی تجسیم کے راستے سے تجرید کو گرفت میں لیا جاتا ہے"۔ (۶)

ناصر عباس نیر کی اس وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ لانگ اور پارول ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ کوئی پارول لانگ کے بغیر وجود نہیں رکھ سکتی جب کہ لانگ اپنے ابلاغ کے لیے پارول کی محتاج ہے۔ اس لحاظ سے لانگ اور پارول مل کر ایک لسانی معاشرہ یا سماج تخلیق کرتا ہے۔ جس کے بغیر ابلاغ ممکن نہیں۔ دوسرے لفظوں میں لانگ اور پارول سماج کے انسٹرومنٹس ہیں جسے سوسیئر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

> “The faculty of articulating words is put to use only by means of the linguistic instrument created and provided by society” (7)

لانگ اور پارول کے ان مباحث میں ان کا فرق کافی حد تک واضح ہو جاتا ہے۔ سوسیئر کے اس تصور، جس میں زبان کو اس نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ زبان کو اس کی ذیلی سطح پر گہرائی میں جا کر سمجھنا اور بھی آسان ہو گیا ہے۔ سوسیئر کے اس پیش کردہ تصور کے بعد زبان کے حوالے سے خاص طور پر لسانیات کے شعبے میں بیش بہا ترقی ہوئی ہے۔ اس کے اس تصور نے زبان کو سمجھنے کا زاویہ نگاہ ہی بدل دیا۔ اور زبان کو اس بامِ عروج پر پہنچا دیا کہ آج تک زبان ارتقا کے مرحلے سے گزر کر ترقی کے راستے پر گامزن ہے اور زبان سے متعلق کئی طرح سے نظریات سامنے آ رہے ہیں۔ گو کہ اردو لسانیات میں اس قدر کام نہیں ہو سکا جس طرح مغرب میں ہوا لیکن اس تصور کے بعد اردو لسانیات اور تنقید نہ صرف متاثر ہوئی بلکہ اس کی وجہ سے باقی علوم مثلاً بشریات، نفسیات، ادب و تاریخ وغیرہ بھی متاثر ہوئے۔ اردو ادب میں اس تصور نے ایک انقلاب برپا کر دیا۔ خاص طور پر تنقید کے میدان میں زبان و بیان اور اسلوب کے مباحث نے اردو ادب کو فروغ بخشا۔ سوسیئر اس تصور کو یہیں ختم نہیں کرتا بلکہ یہ زبان کو مزید گہرائی سے جاننے کی کوشش کرتا ہے اور اس سلسلے میں وہ زبان سے متعلق ابتدائی تصورات کو رد کرتا چلا جاتا ہے۔ وہ لسان اور کلام کے بعد "لفظ" کا تجزیہ اپنے لسانی ماڈل میں شامل کرتا ہے۔ آیئے سوسیئر کے اس لسانی ماڈل کی مزید وضاحت کے لیے لفظ و معنی کی بحث لسانی نشان (لفظ) کے عنوان سے کرتے ہیں۔

لسانی نشان (لفظ):

سوسیئر سے پہلے زبان میں صرف لفظوں کو اہمیت حاصل تھی اور معنوی اعتبار سے یہ تصور رائج تھا کہ لفظ چیزوں کو نام دینے کے مترادف ہے۔ یعنی کسی شے کا نام ہی اس کا معنی مطلق یا مفہوم ہے۔ اس لحاظ سے اس وقت Nomenclature یعنی چیزوں کو نام دینے کا تصور موجود تھا۔ وہی نام لفظ کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہی ان کے معنی کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ اس وقت کا یہ رائج تصور، یعنی شے برابر ہے لفظ کے، سوسیئر نے رد کر دیا اور اس کے لیے یہ دلیل دی کہ لفظ صرف چیزوں کو نام دینے کا نام نہیں

بلکہ یہ ایک لسانی نشان ہے۔ سوسیئر نے لفظ کو سب سے پہلے نشان کہا اور پھر اسے لسانی نشان کا درجہ دیا۔ وہ یہیں تک اکتفا نہیں کرتا بلکہ مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ لسانی نشان مزید دو حصوں پر مشتمل ہے جسے اس نے سگنی فائر اور سگنی فائیڈ کا نام دیا ۔ (ان کی وضاحت آگے ذیلی عنوانات کے تحت آئے گی)۔ فی الحال لسانی نشان کے حوالے سے سوسیئر نے جو واضح بیان دیا ہے وہ یہ ہے:

> “A linguistic sign is not a link between a thing and a name but between a concept and a sound pattern” (8)

سوسیئر نے لفظ کو لسانی اکائی کا نام دیا اور پھر اسے لسانی نشان متصور کرتے ہوئے اس کی نشاندہی کی کہ یہ محض لفظ نہیں یا صرف نام دینے کا نام لفظ نہیں بلکہ یہ ایک ایسی لسانی اکائی ہے جس کی دو سطحیں ہیں ایک بالائی اور دوسری زیریں۔ زیریں سطح معنوی ہے جب کہ بالائی سطح اس معنی کی ملفوظ شکل ہے، جن کے درمیان باہم ایک ربط ہوتا ہے۔ اس نے یہ وضاحت بھی کی کہ یہ ربط شے اور نام کے درمیان نہیں بلکہ ایک تصور (معنی) اور صوتی پیٹرن کے درمیان ہے۔ سوسیئر کی اس بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لفظ محض لفظ نہیں بلکہ اپنے اندر یہ ایک وسیع معنویت لیے ہوتا ہے۔ سوسیئر کی اس بات کے تناظر میں یہ بات سامنے آئی کہ زبان مختلف نشانات کا مجموعہ ہے۔ اسی بات سے علمِ نشانیات سامنے آیا۔ علمِ نشانیات کی رو سے اگر زبان کی تعریف کی جائے تو کچھ یوں ہو گی کہ "زبان نشانات کا نظام ہے"۔ (۹)

زبان کی اس تعریف کا بغور جائزہ لیا جائے تو زبان کے نظام میں نشان مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ یوں نشان زبان کی اکائی بن کر سامنے آتا ہے۔ اس اکائی میں معنی ملفوظ ہوتا ہے یا مرتکز ہوتا ہے۔ یہیں سے زبان اور لسانیات کی تعریف بھی سوسیئر کے اس ماڈل کے بعد بدل جاتی ہے اور جدید تناظر لے لیتی ہے۔ اس ماڈل کے بعد زبان اور لسانیات کی تعریف سوسیئر کے خیالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے گوپی چند نارنگ نے واضح انداز میں کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "زبان صرف لفظوں کے ذریعے عمل آرا نہیں ہوتی، زبان کام کرتی ہے نظامِ نشانات کی رو سے، لفظ جس کا محض نظر آنے والا سرا ہے۔ یہ نظامِ نشانات، تجریدی ہے، اور لسانیات کا کام اس نظامِ نشانات کے اصولوں اور کلیوں کو دریافت کرنا یعنی زبان کی کلی ساخت کو دریافت کرنا ہے"۔ (۱۰)

درج بالا سوسیئر کے بیان میں اس نشان کو سوسیئر نے صوتی ساختیہ یعنی Sound Pattern کہا ہے۔ جس کی مزید تین اقسام کا ذکر سوسیئر نے اپنی کتاب “Nature of Linguistic Sign” میں کیا ہے جسے جوناتھن کلر نے وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یہ اقسام درج ذیل ہیں۔

نشان کی اقسام:

ICON-1
INDEX-2
(۱۱) Proper SIGN-3

سوسیئر کے مطابق ہر نشان، معنی نما اور تصورِ معنی پر مشتمل ہوتا ہے۔ جن کے درمیان ایک رشتہ موجود ہوتا ہے البتہ ہر نشان کے درمیان یہ رشتہ معنوی اعتبار سے مختلف بھی ہو سکتا ہے۔ جس کی وضاحت "لفظ و معنی میں رشتہ" کے ذیلی عنوان میں آئے گی۔ ان رشتوں سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ معنی نما اور تصورِ معنی در حقیقت کیا ہیں؟ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ ایک لسانی نشان ہے جسے سوسیئر نے ساؤنڈ پیٹرن یعنی صوتی ساختیہ کہا ہے۔ اگر اس انداز میں دیکھیں تو صوتی ساختیہ خود ایک ثقافتی، سماجی، اور نفسیاتی تناظر پر محیط ہے۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر نے اس لحاظ سے اس اکائی کو نفسیاتی مظہر کہا ہے۔ (۱۲)

اس نفسیاتی مظہر سے ہم یہ مراد لے سکتے ہیں کہ یہ نشان پڑھنے اور لکھنے میں ذہنی ادراک کے ساتھ متصل ہے، یعنی ہر لفظ ذہنی ادراک رکھتا ہے وہ پڑھنے اور لکھنے میں ویسا ہی آئے گا جیسے اس کا صوتی ساختیہ ذہن میں بنے گا۔ یہ صوتی ساختیہ جن دو حصوں میں مزید تقسیم کیا گیا ہے آیئے اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

Signifier معنی نما/دال:

سوسیئر نے لسانی نشان کو جن دو حصوں میں تقسیم کیا تھا اس میں سے ایک سگنی فائر ہے جسے بعض نے اردو ترجمہ کرتے ہوئے دال لکھا ہے۔ گوپی چند نارنگ نے اسے صوتی امیج لکھا ہے۔ جب کہ ناصر عباس نیر نے اسے معنی نما لکھا ہے۔ جو قدرے بہتر اصطلاح ہے۔ اس اصطلاح پہ غور کیا جائے تو یہ اصطلاح لفظ کے قائم مقام ہے لیکن لفظ نہیں ہے بلکہ معنی نما ہے معنی کی طرح ہے۔ یعنی دوسرے لفظوں میں معنی بھی نہیں اس معنی کی شکل ہے خاکہ ہے نقشہ ہے ڈھانچہ ہے۔ اگر نفسیاتی پہلو سے دیکھیں تو یہ ذہنی وجود رکھتا ہے۔ اگر صوتی اعتبار سے دیکھیں تو یہ آوازوں کا مرکب ہے جو کسی ایسے تصور کی طرف اشارہ کرتا ہے جو معنی سے مملو ہو۔ ناصر عباس نیر نے اسی سگنی فائر کو صوتی ساختیہ کہا ہے اس لحاظ سے سگنی فائر کی ایک مخصوص ہیئت ہے جو جذبات، کیفیات، احساسات کی مرتکز شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے۔

Signified تصورِ معنی/مدلول:

ناصر عباس کی استعمال کردہ یہ اصطلاح تصورِ معنی پر غور کریں تو یہ محض اصطلاح نہیں ہے بلکہ ایک مکمل وضاحت بھی اس میں پوشیدہ ہے۔ اس اصطلاح کے مطابق سگنی فائڈ قائم مقام معنی کے ہے لیکن معنی نہیں ہے بلکہ اس کا فقط تصور ہے۔ سگنی فائڈ

یعنی تصورِ معنی کی تعریف یوں ہو سکتی ہے کہ یہ ایسا معنوی تصور ہے جو ہمارے سامنے ملفوظی صورت میں یا معنی نما کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ تصور یعنی معنی لفظ میں مرتکز حالت میں تجریدی نوعیت کا حامل ہوتا ہے جس کا تعلق براہِ راست معنی نما سے جڑا ہوتا ہے۔ اس ربط و تعلق/رشتے کی وضاحت ذیلی سرخی میں اس کے بعد پیش کی جا رہی ہے۔

لفظ و معنی کا رشتہ:

سوسیئر نے اپنے ماڈل میں لسانی نشان کی ساخت متعارف کراتے ہوئے اسے دو لخت کر دیا ہے جس کی وضاحت اوپر آ چکی ہے۔ سوال یہ ہے سوسیئر نے اس لسانی نشان کو دو لخت کس بنیاد پر کیا؟ تو اس کا جواب یہی ہے کہ سوسیئر نے زبان کے مطالعے میں جو لفظ کی صوتی و معنوی ساخت پر غور کیا تو اسے دو چیزیں نظر آئیں ایک لفظ جو معنی کی شکل کا ہے اور ایک معنی جو اپنے تصور جیسا ہے۔ یعنی سگنی فائر اور سگنی فائیڈ میں اس ساخت کو اس نے تقسیم کر دیا نہ صرف تقسیم کیا بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک رشتہ بھی قائم کیا۔ یہ رشتہ دو طرح کا ہے ایک وہ جو سگنی فائر/لفظ اور سگنی فائیڈ/معنی کے مابین پایا جاتا ہے۔ ایک رشتہ لفظ کا اپنی لانگ کے ساتھ اور معنی کا رشتہ کسی کنوینشن یعنی رسمیات کے ساتھ جڑا ہے۔ یہ تمام رشتے لسانی نشان کی تشکیل کرتے ہیں۔ گوپی چند نارنگ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "نشان کو اس دوہرے رشتے کی مدد سے سمجھا جا سکتا ہے، جو اس کے صوتی امیج اور تصور کے بیچ میں ہے۔ نشان ان دونوں کا مجموعہ ہے۔ سوسیئر نشان کے اس دوہرے رشتے کو سگنی فائر اور سگنی فائیڈ کا نام دیتا ہے، یعنی صوتی امیج، "معنی نما" ہے اور تصور، "معنی" ہے۔ لفظ شجر کے صوتی امیج اور شجر کے تصور میں جو ساختیاتی رشتہ ہے وہ لسانی نشان کی تشکیل کرتا ہے"۔ (۱۳)

اس لسانی تشکیل میں بیان کی گئیں درج بالا نشان کی اقسام کے معنی نما اور تصورِ معنی میں جو رشتے قائم ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:

1۔ ICON کے معنی نما اور تصورِ معنی میں مشابہت کا ایک رشتہ ہے۔ مثال کے طور پر پورٹریٹ ایک آئی کون ہے۔ اس میں تصویر اور صاحبِ تصویر کے درمیان ایک مشابہت پائی جاتی ہے جو آئی کون کے مفہوم کو اجاگر کرتی ہے۔

2۔ انڈیکس کے معنی نما اور تصورِ معنی کے درمیان علت (Casual) کا رشتہ ہے۔ مثلاً آگ اور دھواں میں آگ علت ہے اور دھواں معلول۔ اسی طرح چاندنی کی علت چاند ہے لیکن اسے سائنسی اعتبار سے دیکھیں تو چاند کی چاندنی خود سورج کی علت ہے کیوں کہ چاند کی اپنی روشنی نہیں ہوتی۔

3۔ Proper SIGN جسے سوسیئر نے اپنے موضوع کی بنیاد بنایا، اس کے معنی نما اور تصورِ معنی کے مابین رشتہ من مانا ہے یعنی Arbitrary ہے دوسرے لفظوں میں Conventional ہے۔ سوسیئر اس رشتے کو ثقافتی قرار دیتا ہے۔ سوسیئر کی ان رشتوں کو ثقافتی کہنے سے مراد یہ ہے کہ یہ رشتے ہر ثقافت میں بدلتے رہتے ہیں جس سے معنی بھی بدلتے رہتے ہیں نہ صرف معنی بدلتے ہیں بلکہ ایک ہی چیز کے لیے مختص لفظ ہر ثقافت میں الگ الگ ہو گا۔ مثلاً شلجم کی مثال لیں تو بعض علاقوں میں اسے ٹھپر کہتے بعض علاقوں میں اسے گونگلو بھی کہا جاتا ہے۔ تو اس لحاظ سے سوسیئر کا یہ ماڈل ان رشتوں کی وضاحت بڑی عمدگی سے کرتا ہے۔ انہی رشتوں کے کنوینشنل ہونے کی وجہ سے معنی کی تکثیریت کا قضیہ سامنے آتا ہے، جو پس ساختیات کی بحث ہے۔ سوسیئر کا یہ ماڈل یا یہ رشتے صرف لفظوں تک محدود نہیں رہتے بلکہ کسی بھی متن کو پرکھنے اور اس کا تجزیہ کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اس ماڈل نے درحقیقت ایسی وسعت قائم کی کہ اس نے ادب کو سمجھنے کے زاویے بدل دیے۔ ادب میں تنقید کی اہمیت مسلم ہے اس ماڈل کے آنے سے ساختیاتی تنقید ادب میں شامل ہوئی جس نے کرشمہ ہائے بے بہا کیے۔

رومن جیکب سن نے ان رشتوں کے علاوہ دو مزید رشتوں کی وضاحت کی، یعنی Syntagmatic یعنی افقی اور Paradigmatic یعنی عمودی رشتے۔

عمودی رشتوں سے مراد لفظوں کا انتخاب ہے جو کسی کلمے میں عمودی سمت چلتا ہے جب کہ افقی رشتوں سے مراد لفظوں کی وہ افقی ترتیب ہے جو ایک دوسرے سے مل کر کلمہ بناتے ہیں۔ دراصل عمودی رشتے صرفیات سے بحث کرتے ہیں اور افقی رشتے یعنی نحوی ترتیب میں ہونے کی وجہ سے نحویات سے بحث کرتے ہیں۔ رومن جیب سن کے یہ خیالات سوسیئر کے مباحث سے ہی ماخوذ ہیں۔ سوسیئر کے بعد آنے والے ماہرین علم ودانش سوسیئر کو ہی بنیاد بناتے رہے ہیں۔

یہاں تک کے مباحث، معنی نما اور تصورِ معنی کے درمیان رشتوں اور ان کی نوعیتوں سے متعلق گفت گو پر مشتمل تھے۔ اس ماڈل کی حدود یہاں ختم نہیں ہوتیں بلکہ یہاں سے انہی رشتوں کی وجہ سے پیدا ہونے والے معنی یا تصورِ معنی کے مباحث سامنے آتے ہیں۔ اسے ذیلی عنوان کے تحت پیش کیا جا رہا ہے۔

سوسیئر کا تصورِ معنی:

سوسیئر نے اپنے ماڈل میں یہ مفروضہ قائم کیا تھا کہ کسی بھی چیز کا معنی کسی فرق کے تحت پیدا ہوتا ہے۔ اس نے اس فرق کے حامل دو جوڑوں کو Binary Opposition یعنی تضادی/اضدادی جوڑے کا نام دیا۔ یہاں سوسیئر کے اس مفروضے نے زبان کے علاوہ کئی نظریات کی عمارت گرا دی جس سے لسانیات اور تنقید کے تعبیری حربوں میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ سوسیئر کے خیال میں کوئی بھی چیز اپنے فرق کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔ مثلاً آگ، آگ اس لیے ہے کیوں کہ پانی نہیں ہے۔ گناہ، گناہ اس

لیے ہے کیوں کہ نیکی نہیں ہے۔ یہ مفروضہ ایسا کارگر ثابت ہوا کہ اس نے آناً فاناً ایک نظریہ کی شکل اختیار کرلی۔ سوسیئر کے بیان کردہ دو چیزوں کے درمیان یہ فرق صرف معنوی سطح کا نہیں ہے بلکہ صوتی سطح پر بھی اس فرق کے رشتے کی وجہ سے معنی خیزی ہوتی ہے۔ اس حوالے سے گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> "آوازوں کی بنیادی صوتی سطح کے بارے میں غور کریں تو طرح طرح کی اونچی نیچی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ اگر آوازوں کو زبان کے اجزا کے طور پر لیں، تو معلوم ہوگا کہ جو چیز ان کو بامعنی بناتی ہے وہ ان میں اور دوسری آوازوں میں فرق کا رشتہ ہے، نہ کہ فی نفسہ ان آوازوں کی اپنی کوئی صفت۔ گویا زبان میں آوازیں قائم بالذات نہیں، قائم بالغیر ہیں۔ باہمی فرق کا رشتہ تضادات (Oppositions) کے نظام کو قائم کرتا ہے"۔ (۱۴)

گوپی چند نارنگ نے اس اعتبار سے درست کہا ہے کہ بعض آوازوں کے فرق کی وجہ سے معنی بدل جاتے ہیں۔ اس کی عملی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ مثلاً بال اور تال میں صرف ابتدائی آواز کا فرق معنی بدل رہا ہے۔ یہ فرق ہر زبان میں موجود ہیں۔ بعض تضادات کو زبان رد بھی کر دیتی ہے، دراصل ان کے معنی نہیں ہوتے۔ یہیں معنی کے فرق کی وجہ سے معنی قائم کیے جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں جہاں صوتی اعتبار سے فرق تضادی جوڑے کی صورت میں نہ آئے وہاں معنوی فرق کی بنیاد پر معنی خیزی کی جاتی ہے۔

زبان میں یہ افتراقی نظریہ صرف الفاظ اور کلموں کے لیے کارآمد نہیں بلکہ کسی متن کی معنی خیزی کے لیے اس ماڈل کا سہارا لیا جاتا ہے جسے ساختیاتی تنقید بھی کہتے ہیں۔ ساختیاتی تنقید کے پیچھے سوسیئر کا یہی لسانی ماڈل یا فلسفۂ لسان کھڑا ہے جس کی بنیاد پر کسی متن کا ساختیاتی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ناصر عباس نیر کے بقول دریدا نے اس سے مزید آگے ایک جست لگائی اور انسانی لاشعور کو ساختیاتی لسانی ماڈل کی مانند قرار دیا۔ (۱۵) دریدا کا افتراق التوا کا نظریہ بھی سوسیئر ہی کی دین ہے جس نے مابعد جدید تنقید بالخصوص پس ساختیات میں ردِ تشکیل کی صورت میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ یوں معاصر تنقید کا کینوس جدید لسانیات کی کارکردگیوں سے شروع ہوتا ہوا ادب و تنقید کے میدان میں سرایت کر گیا۔

سوسیئر کی لسانی تشکیل کے اس تصور نے علمِ لسانیات میں ایک دھماکہ دار انٹری کی جس کی وجہ سے کئی علوم میں ترقی کی راہیں کھل گئیں۔ سوسیئر سے پہلے کے تصورات مجرد نوعیت کے تھے لیکن اس تصور نے زبان سے متعلق اتنے عرصے سے تعمیر شدہ عمارت کو گرا دیا اور ایک نئی عمارت قائم کی جس پر نہ صرف لسانیات کے در کھلتے ہیں بلکہ بشریات، نفسیات، سماجیات، عمرانیات وغیرہ کے علوم کی عمارتیں بھی بلند ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔

اس ساری بحث کا اِجمال یہ ہے کہ ساختیات ایک لسانی فلسفہ ہے جس نے زبان کو سمجھنے کے قدیم تصور کو یکسر دلائل کے ساتھ رد کر دیا۔ ساختیات کی یہ بنیادیں سوسیئر کے اس لسانی ماڈل نے قائم کیں جسے بعد کے آنے والے ماہرینِ لسانیات نے اپنے علم کی بنیاد بنایا۔ سوسیئر نے در حقیقت زبان کو سمجھنے کا جو طریقہ متعارف کرایا وہ آفاقی نوعیت کا ہے۔ اس نے زبان کو ثقافتی مظہر قرار دیتے ہوئے زبان کے مجرد پن کو ختم کیا اور اسے ارتقا کی راہ پر ڈال دیا۔ سوسیئر نے جو ماڈل پیش کیا اس سے زبان کے صرفیاتی پہلوؤں پر تجزیاتی مطالعے آسان ہو جاتے ہیں بلکہ نحویاتی اور معنیاتی اعتبار سے بھی زبان کا ایک جامع نظام قائم ہوتا ہے۔ زبان کے صوتی اور معنیاتی رشتوں کی وضاحت سے زبان اور لسانیات کا کینوس اس قدر زرخیز ہو گیا کہ لسانی تشکیلات کے کئی رنگ اس سے اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

سوسیئر زبان کو دو حصوں یعنی لانگ اور پارول میں تقسیم کرتے ہوئے زبان کی تہوں میں جا گُھستا ہے اور اس کے اندرونی اجزا اور ان کے باہمی رشتوں کو الگ الگ کرتے ہوئے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ یہیں اکتفا نہیں کرتا بلکہ زبان کے الفاظ اور کلموں کی نشست و برخواست پر بھی غور و غوض کرتا ہے انہیں بھی اجزا میں تقسیم کر دیتا ہے۔ وہ لفظ کو لسانی نشان کہتا ہے اور آگے بڑھتے ہوئے اس لسانی نشان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ ایک کو سگنی فائر کا نام دیتا ہے اور دوسرے کو سگنی فائیڈ کا نام دیتا ہے۔ ان کا الگ الگ مطالعہ کرتے ہوئے ان کے باہمی ربط و تعلق اور رشتوں کی بھی وضاحت کرتا ہے اور ان رشتوں کو معنی خیزی سے متصل کر دیتا ہے۔ اس ماڈل میں سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ رشتے دوہرے ہیں لفظ اپنی ثقافت سے جڑا ہے اور ثقافت میں فرق ہی صوت و معنی میں فرق پیدا کرتا ہے۔ سوسیئر کے اس طرح کے مباحث نے ادبی تنقید اور تھیوری کو زرخیز بنایا۔

ساختیاتی لسانی ماڈل نے کئی علوم کے آپسی رشتوں میں بانٹ دیا۔ نفسیات، بشریات، عمرانیات، سماجیات وغیرہ کے علوم ساختیاتی فکر کے حامل ہیں۔ ساختیاتی فکر معنیاتی اعتبار سے لسانیات میں بہت اہمیت کی حامل ہے۔ معنی کا ثقافتی تناظر لسانیات کی شاخ معنیات کو زرخیز کرتا ہے۔ اور یہ ثقافتی تناظر ساختیات کی دین ہے۔ جس کی بدولت اب معاصر تنقید متن اور معنی کی بحث سے مزید آگے بڑھ کر تناظر اور سیاق پر مرکوز ہوتی نظر آ رہی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، ساختیات پس ساختیات اور مشرقی شعریات، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۳۵
۲۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، ساختیات: ایک تعارف، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء، ص ۱۴
۳۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، ساختیات پس ساختیات اور مشرقی شعریات، ص ۶۱
۴۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، ساختیات: ایک تعارف، ص ۲۱۷

۵۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، ساختیات پس ساختیات اور مشرقی شعریات، ص ۶۲

۶۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، ساختیات: ایک تعارف، ص ۲۱۷

7. Ferdinand de Saussure “The object of study”. Modem critical theory (Edited by David Lodge) New York, Longman 1988. P,5

۸۔ ایضاً، ص ۱۰

۹۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، ساختیات: ایک تعارف، ص ۲۲۲

۱۰۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، ساختیات پس ساختیات اور مشرقی شعریات، ص ۶۲

11. Ferdinand de Saussure, “Nature of Linguistic Sign”. Modern critical theory (Edited by David Lodge) New York, Longman 1988. P,8

۱۲۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، ساختیات: ایک تعارف، ص ۲۲۲

۱۳۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، ساختیات پس ساختیات اور مشرقی شعریات، ص ۶۷-۶۶

۱۴۔ ایضاً، ص ۶۳

۱۵۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، لسانیات اور تنقید، پورب اکادمی، اسلام آباد، 2008ء، ص ۶۹